28

جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے وہ دوسروں کو دو۔

(فرمودہ یکم ستمبر ۱۹۱۶ء)

تشہّد وتعوّذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد مندرجہ ذیل سورۃ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

اِنَّآ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ ۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانۡحَرۡ ۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ ۔ (الکوثر)

بخل اور کنجوسی اسی وقت انسان کے اندر پیدا ہوتی ہے جبکہ اس کا ہاتھ تنگ ہو یا اسے اس بات کا خطرہ ہو کہ میرا ہاتھ تنگ ہو جائے گا اس کے سوا بخل نہیں پَیدا ہوتا۔ لوگ اس ہوا سے جو تمام انسانوں کے لئے خدا تعالیٰ نے بنائی ہے سانس لیتے ہیں اور سانس لے کر اس پاک اور طیّب ہوا کو جسے خدا تعالیٰ نے انسانی زندگی کے قیام اور طاقت دینے کا باعث بنایا ہے خراب اور گندہ کر کے اپنے منہ سے نکال دیتے ہیں۔ کوئی دنیا کی غذا اور کوئی کھانے پینے کی شے یا کوئی ایسی بیرونی چیز جو نفسِ انسانی کے لئے آرام دینے والی ہے ایسی قیمتی نہیں جیسی کہ ہوا ہے۔ کیونکہ ہر چیز کے بغیر انسان کچھ مدّت تک گزارا کر سکتا ہے۔ اگر کپڑے نہیں تو چھپ کر کہیں بیٹھ سکتا ہے اور ایک دو دن کے لئے بلکہ دو تین چار مہینے تک بیٹھا رہ سکتا ہے زندگی کو اس سے کوئی حرج نہیں ہوگا۔ اسی طرح پانی کے بغیر تین چار دن تک زندہ رہ سکتا ہے اور کھانے کے بغیر چار پانچ چھ سات دن تک۔ لیکن ہوا کے بغیر ایک گھنٹہ چھوڑ ایک منٹ بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔

غرض دنیا میں جتنی چیزیں انسان کو راحت اور آرام پہنچانے والی اور اس کی زندگی کو قائم رکھنے والی ہیں ان سب سے قیمتی اور مفید اور ضروری ہوا ہی ہے۔ کسی چیز کی قیمت اس کے فائدے سے اور ضرورت کے لحاظ سے ہوتی

ہے۔اور پھر اپنی تعداد کے لحاظ سے۔بعض وہ چیزیں جو بظاہر فائدہ رساں معلوم نہیں ہوتیں۔ یا جن کی بظاہر کوئی ضرورت دکھائی نہیں دیتی پھر بھی وہ مفید اور ضروری ہوتی ہیں۔گو ہر ایک انسان ان کا محتاج نہیں ہوتا۔ان کی بھی ایک قیمت ہوتی ہے۔مثلاً موتی۔ ہیرے۔لعل۔ جواہر۔ یہ ایک تو طبّی لحاظ سے بڑے مفید ہوتے ہیں۔دوسرے تعداد میں بہت کم ہوتے ہیں اور ان کی ضرورت امراء اور دولتمندوں کو پڑتی ہے۔ یہ ایک ظاہر بات ہے کہ جس قدر اعلیٰ درجہ کا آرام ہے اتنا ہی کم لوگوں کو میسّر آتا ہے چونکہ ایسی قیمتی چیزوں کی احتیاج بڑے لوگوں کو ہی ہوتی ہے۔اور یہ ان میں اور دوسرے لوگوں میں امتیاز پیدا کرنے والی چیزیں ہوتی ہیں۔اس لئے ان کی بڑی قیمت ہوتی ہے تو یہ باتیں کسی چیز کی قیمت کا فیصلہ کیا کرتی ہیں۔اوّل ضرورت۔دوم۔فوائد۔سوم تعداد۔کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز ضروری ہوتی ہے گو اس کے فوائد عام طور پر کوئی ایسے اعلیٰ نہیں سمجھے جاتے۔مگر ایک وقت میں اس کی قیمت بہت بڑھ جاتی ہے۔اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فوائد بھی نہیں ہوتے اور ضرورت بھی کوئی ایسی نہیں ہوتی لیکن جس حد تک دنیا میں اس کی ضرورت ہوتی ہے اس سے اس کا خزانہ کم ہو جاتا ہے۔اس وقت بھی اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔مثلاً گیہوں۔ چنے۔ ماش وغیرہ۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جو بڑی کثرت سے پیدا ہوتی ہیں۔اس لئے ان کی قیمت ایسی ہوتی ہے کہ ہر ایک خرید سکتا ہے مگر جب ان کی پیدائش میں کمی واقعہ ہو جاتی ہے تو قیمت بہت بڑھ جاتی ہے۔اس وقت کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ بھی ویسے ہی گیہوں یا چنے ہیں جیسے پچھلے سال تھے۔پھر ان کی قیمت کیوں بڑھا دی گئی ہے۔

ہوا میں دو باتیں پائی جاتی ہیں۔ایک یہ کہ انسانی صحت کا مدار اسی پر ہے۔دوسرے ہر وقت اس کی ضرورت اور حاجت ہے۔اور ہر انسان کو ہے۔مگر باوجود اس کے کوئی شخص ہوا کے معاملہ میں بخل سے کام نہیں لیتا۔اور نہ ہی اس میں کنجوسی کرتا ہے۔کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ کوئی کسی کو کہے کہ ہمارے گھر سے نکل جاؤ کیونکہ تمہارے سانس لینے اور سونگھنے سے ہوا خراب ہو رہی ہے۔خواہ کوئی کیسا ہی بخیل ہو۔اپنے نفس پر کتنا ہی بخل کرنے والا ہو۔ پھر بھی یہ کبھی نہیں کہے گا کیوں؟ اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ خدا تعالیٰ

نے ہوا کا ایسا خزانہ کھولا ہؤا ہے کہ جس میں کبھی کمی نہیں آسکتی اسی بات کی وجہ سے اس کے دل میں بھی تنگی نہیں آتی۔ حالانکہ فوائد اور ضرورت کے لحاظ سے تمام اشیاء سے اس کی قیمت بہت زیادہ ہے۔

تو بخل کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ انسان کا دل تنگی کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے اگر مَیں نے یہ چیز خرچ کی تو میرے پاس کم ہو جائے گی۔ یا کم ہو جانے کا اسے خطرہ ہوتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی کے پاس اگر کروڑوں کروڑ روپیہ ہو تو گو وہ اس قدر کم نہیں ہوگا کہ اسے تکلیف اٹھانی پڑے۔ تاہم وہ ڈرتا ہے کہ اگر مَیں نے خرچ کیا تو کم ضرور ہو جائے گا۔ اسی طرح ایک غریب آدمی جس کے پاس ایک دو روپے ہوں وہ بھی خرچ نہیں کرتا۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر ان کو مَیں نے خرچ کر دیا تو ضرورت کے وقت مجھے تکلیف ہوگی۔ غرض بخل اسی طرح پَیدا ہوتا ہے کہ یا تو چیز کا کم ہو جانا خیال میں ہوتا ہے یا کم ہو جانے کا خطرہ اور ڈر ہوتا ہے۔ لیکن جہاں یہ دونوں باتیں نہ ہوں وہاں اس کے خرچ کرنے میں کوئی شخص دریغ نہیں کرتا۔

مگر بڑا تعجّب آتا ہے اور بڑی حیرت ہوتی ہے کہ نادان انسان اپنی نادانی کی وجہ سے ادھر مال کے متعلق جو بخل اور کنجوسی کرے اس پر ہنسی کرتا اور اس کا بخیل اور کنجوس نام رکھتا ہے۔ اور کہتا ہے کیا ہؤا۔ اگر چیز کم ہو جاتی ہے تو زیادہ بھی تو ہو ہی جاتی ہے۔ پھر زندگی کا کیا اعتبار ہے ممکن ہے آج ہی جان نکل جائے۔ اور تمام جمع کیا کرایا دھرا رہے۔ پھر مال تو ہاتھوں کی میل ہے۔ ہاتھ سلامت رہے تو اَور مل رہے گا۔ اور اگر ہاتھ ہی نہ رہے تو مال کی بھی ضرورت نہ رہے گی غرض بہت زور اور دلائل کے ساتھ بخیل پر ہنسی اور ملامت کرتا ہے۔ مگر باوجود اس کے اس کے کئی معاملات ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے متعلق وہ دوسروں پر اعتراض کرتا بلکہ ان کے خلاف وعظ اور نصیحت بھی کرتا ہے۔ لیکن ان میں وہ خود بخل سے کام لیتا ہے اور پھر تعجّب یہ ہے کہ ایسی چیزوں میں بخل کرتا ہے کہ جن کے کم ہونے کا بالکل خطرہ نہیں ہوتا۔ ایک مالدار بخل کرتا ہے مگر اس کی وجہ وہ یہ قرار دیتا ہے کہ اگر مَیں خرچ کروں تو شائد میرا مال کم ہو جائے۔ حتّٰی کہ اسی خیال میں وہ مر بھی جاتا ہے اور خود بھی کوئی فائدہ نہیں اُٹھاتا۔ بے شک ایسا شخص قابلِ الزام ہے۔ اور بے شک اس نے اللہ پر بھروسہ نہیں کیا۔ اور بے شک بنی نوع انسان پر کہ جس

کی ہمدردی اور مدد اس پر فرض تھی اس نے کچھ خرچ نہیں کیا مگر پھر بھی وہ ایک حد تک معذور ہے کیونکہ جو خزانہ اس کے پاس ہے خواہ وہ کتنا ہی بڑا ہو۔ تاہم خرچ کرنے سے کم ہو ہی جاتا ہے۔ اور کسی انسان کے پاس کوئی ایسا خزانہ نہیں جو کم نہ ہوتا ہو۔ سب سے بڑا خزانہ حکومتوں کا ہوتا ہے لیکن دیکھو اس کے کم ہونے کے بھی اسباب پَیدا ہو ہی جاتے ہیں۔ موجودہ جنگ میں ہی دیکھ لو گورنمنٹ برطانیہ کا ۷ کروڑ روپیہ روزانہ کا خرچ ہے۔ گو کوئی شخص گورنمنٹ جتنا مالدار نہیں ہوسکتا۔ مگر فرض کرلو کہ اگر کسی کے پاس اتنا ہی خزانہ ہو تو بھی اس کے لئے ایسے مصارف نکل سکتے ہیں کہ وہ خرچ ہوسکتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک امیر جب مرا تو اس نے لاکھوں روپیہ اپنے پیچھے چھوڑا۔ اس کا ایک لڑکا تھا۔ لڑکے نے اپنے دوستوں یاروں کو بلا کر مشورہ کیا کہ میرے پاس جو اس قدر روپیہ ہے اسے کس طرح خرچ کیا جائے کسی نے کوئی طریق بتایا کسی نے کوئی۔ لیکن اسے کوئی پسند نہ آیا۔ ایک دن وہ بازار سے گزر رہا تھا کہ ایک بزاز کے کپڑا پھاڑنے کی آواز اسے سنائی دی۔ وہ آواز اسے ایسی پسند آئی کہ گھر آکر کپڑے کے تھان منگوا منگوا کر پھڑوانے شروع کر دیئے۔ اور چِر چِر کی آواز سننے لگ گیا۔ اسی طرح اس نے اپنا سارا روپیہ برباد اور تباہ کر دیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں مفلس اور نادار ہو گیا۔ تو خواہ کسی کے پاس لاکھوں روپے ہوں یا کروڑوں۔ پھر بھی ایسے مصارف نکل سکتے ہیں کہ وہ خرچ ہو کر اسے نادار بنا دیں۔ اس لئے اگر کسی کے پاس خواہ کتنا ہی روپیہ ہو۔ تاہم اگر وہ یہ خیال کر کے کہ اگر مَیں اس میں سے خرچ کروں گا تو کم ہو جائے گا۔ اس لئے خرچ نہیں کرتا تو ایک حد تک معذور ہے۔ کیونکہ اس کا خزانہ ایسا ہے کہ ضرور خرچ ہو کر کم اور ختم ہوسکتا ہے۔ لیکن جس طرح ہوا کا خزانہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ اس لئے اس میں جو بخل کرنے والا ہو بڑا ملزم ہے۔ اسی طرح علم کا خزانہ ہے۔ یہ بھی کبھی ختم نہیں ہوتا۔ اس میں بھی بخل کرنے والا بہت بڑا مجرم ہے۔ پھر علم کا خزانہ نہ صرف یہ کہ کم نہیں ہوتا بلکہ جتنا خرچ کیا جائے۔ اتنی ہی زیادہ ترقی کرتا ہے اور دوسری چیزوں کے خلاف اس میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہ خرچ کرنے سے خرچ ہو جاتی ہیں۔ لیکن علم ایک ایسی دولت ہے کہ جتنا خرچ کیا جائے اتنا ہی

بڑھتا ہے۔ اور جو لوگ اس کو خرچ نہیں کرتے اور خرچ کرنے کے عادی نہیں ہوتے۔ ان سے چھین لیا جاتا ہے۔ ایک بخیل روپیہ جمع کرتا ہے تو اس کا خزانہ بڑھتا ہے لیکن برخلاف اس کے ایک عالم اگر علم جمع کرتا جاتا اور اسے خرچ نہیں کرتا تو اس کا خزانہ گھٹتا جاتا ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص کو کہا جائے کہ تم محنت و مزدوری کر کے روپیہ جمع کرتے رہو اور دوسرے کو کہا جائے کہ تم علم پڑھ کر اکٹھا کرتے رہو تو کچھ عرصہ کے بعد ان دونوں کا مقابلہ کیا جائے گا۔ تو وہ جو روپیہ کما تا اور اسے خرچ نہ کرتا بلکہ جمع کرتا تھا اس کے پاس بہت سا روپیہ ہو گیا۔ لیکن وہ جو علم پڑھ کر اسے خرچ نہیں کرتا رہا۔ اس نے کچھ کھو دیا ہوگا کیونکہ مالدار اگر روپیہ کو جمع کرتا رہتا ہے تو روپیہ ویسے کا ویسا ہی پڑا رہتا ہے لیکن اگر علم کو رکھ چھوڑا جائے تو ذہن اس خزانہ کو ردّی حالت میں کر دیتا ہے۔ مگر باوجود اس کے کس قدر افسوس اور تعجب کا مقام ہے کہ مال میں بخل کرنے والوں پر ہنستے اور انہیں بُرا بھلا کہتے ہیں لیکن بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے عقل دی۔ فہم دیا۔ علم دیا۔ سمجھ دی۔ وہ ان چیزوں کے خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ غور کریں تو انہیں معلوم ہو جائے کہ ان کے بخل کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

مسلمانوں میں ایک جماعت اس قسم کی پَیدا ہو گئی تھی کہ جو صوفی کہلاتے تھے۔ ان کو اگر کوئی بات معلوم ہو جاتی تو اس کو بڑا چھپا چھپا کر رکھتے۔ اور دوسرے کو نہ بتاتے تھے۔ ہاں مرنے کے وقت اگر کسی پر بڑے ہی خوش ہوتے اور اس پر بڑا ہی انعام کرنا چاہتے تو کوئی ایک آدھ بات بتا دیتے۔ اور اسی طریقِ عمل کو بہت اچھا سمجھتے۔ حالانکہ اس کا نتیجہ بہت خطرناک نکلا۔ اس طرح کرنے سے ان کی اولاد ان سے جاہل نکلی۔ ان کی اولاد ان سے جاہل نکلی۔ پھر ان کی اولاد ان سے جاہل نکلی اور آخر کار یہ ہوا کہ مسلمانوں میں کچھ نہ رہا۔ نہ علم رہا نہ تقویٰ رہا۔ نہ فہم رہا۔ نہ عقل رہی۔ تمام علوم وفنون میں یہی حال ہو گیا تھا اگر کسی طبیب کو کوئی اچھا نسخہ ہاتھ آ جاتا تو وہ دوسرے کو نہ بتاتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ علم ہی محدود ہو گیا۔ اور اب دیکھ لو کہ طب کیسی ردّی حالت میں پہنچ گئی ہے۔ یا تو وہ زمانہ تھا کہ مسلمانوں میں بڑے بڑے طبیب اور معالج تھے مگر ان کے آگے دوسروں کو نہ بتانے کی وجہ سے آہستہ آہستہ اعلیٰ

اور اچھے نسخے مٹتے گئے اور آج نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے۔بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک خاندان ترقی کر لیتا ہے لیکن اس کے بعد میں آنے والے افراد اس قابل نہیں ہوتے کہ کاروبار کو سنبھال سکیں۔لیکن چونکہ اس خاندان کی وہ باتیں جن سے اس نے ترقی کی ہوتی ہے۔انہی تک محدود ہوتی ہیں۔اس لئے ان کے تباہ ہونے کے ساتھ ہی وہ بھی تباہ ہو جاتی ہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کسی حجام کی نسبت فرماتے تھے کہ اس کو ایک ایسا اچھا مرہم بنانا آتا تھا کہ خواہ کیسا ہی گندہ اور بگڑا ہوا زخم ہو۔اس سے اچھا ہو جاتا تھا لیکن وہ اس مرہم کا بنانا کسی اور کو نہ بتاتا تھا۔حتّٰی کہ اپنے بیٹوں کو بھی نہ بتاتا تھا۔جب وہ مرنے لگا تو اس کے بیٹوں نے کہا اب تو آپ ہم سے جدا ہونے لگے ہیں اب ہی وہ مرہم بنانا بتا دیں وہ کہنے لگا میں تم کو بتا تو دیتا لیکن ابھی مجھے امید ہے کہ میری زندگی باقی ہے اگر مَیں اچھا ہو گیا تو پھر کیا ہوگا۔وہ اسی مرض میں مر گیا۔اور مرہم کے متعلق نہ ہی بتایا۔

اسی طرح ہزاروں علوم ایسے تھے کہ جو لوگوں کی نادانی اور جہالت کی وجہ سے مٹ گئے۔ان کے جاننے والوں نے انہیں اپنے سینے کی قبر میں ایسا دفن کیا کہ وہ پھر نہ نکل سکے۔اور اس طرح گھٹتے گھٹتے بالکل ناپید ہو گئے۔دیکھ لیجئے۔آجکل طب ایسی گر گئی ہے کہ کوئی پوچھتا تک نہیں۔اور ڈاکٹروں کی موجودگی میں طبیبوں کی طرف کوئی توجہ بھی نہیں کرتا۔

ڈاکٹروں نے کوئی نئی طب نہیں بنائی۔بلکہ یہ وہی پرانی طب ہے۔اور یورپ نے مسلمانوں سے ہی سیکھی ہے۔لیکن جب ان کے پاس گئی اور انہوں نے اس پر عملدرآمد اور تجربہ کرنا شروع کر دیا اور جو نئی بات کسی کو معلوم ہوئی۔اس کی خوب شہرت کی اور اچھی طرح پھیلا دی تو اس طرح ایک کی بات دوسرے کو۔دوسرے کی تیسرے کو۔تیسرے کی چوتھے کو پہنچتی گئی۔اور ایک نے دوسرے کی مدد سے اور دوسرے نے تیسرے کی مدد سے اور تیسرے نے چوتھے کی مدد سے ترقی کرنا شروع کر دی۔اور ہوتے ہوتے آج یہ حالت ہو گئی کہ جس طرح ایک گٹھلی اور آم میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔اور جس طرح ایک خوبصورت پھول اور اس کے بیج میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔حالانکہ پھول اسی بیج سے نکلا ہوتا ہے۔مگر دونوں کی حالت میں اتنا بڑا

فرق ہوتا ہے کہ ایک کا دوسرے سے مقابلہ نہیں ہوسکتا۔ اگر بیج کسی کے ہاتھ کو لگ جائے تو جھاڑ کر پھینک دے گا کہ کیا لگ گیا ہے لیکن پھول کو بڑے شوق اور پیار سے بار بار ناک کے ساتھ لگائے گا۔ اسی طرح گو ڈاکٹری طب سے ہی نکلی ہے۔ مگر بڑھتے بڑھتے ایک عظیم الشان درخت ہوگئی ہے کہ دونوں میں کوئی نسبت نہیں رہی۔

اہل یورپ نے چونکہ اس کے بڑھانے میں کوئی بخل نہیں کیا۔ اگر ایک کا علم ختم ہو گیا تو آگے دوسرے نے شروع کر دیا۔ دوسرے کا ختم ہو گیا تو تیسرے نے شروع کر دیا۔ تیسرے کا ختم ہو گیا تو چوتھے نے شروع کر دیا۔ پہلے تو یہ ہوتا تھا کہ اگر ایک بات ایجاد کر لیتا تو دوسرے کو نہ بتاتا۔ اس لئے دوسرے کو اگر وہی بات ایجاد کرنی ہوتی تو اسے بھی اتنی ہی محنت کرنی پڑتی جتنی کہ پہلے نے کی ہوتی۔ لیکن اب یہ ہوا کہ ایک نے ایک دروازہ کھول دیا اور وہ تھک کر بیٹھ گیا۔ تو دوسرا کھڑا ہو گیا۔ اور اس نے دوسرا دروازہ کھول دیا۔ تیسرے نے اس سے اگلا کھول دیا۔ اس طرح آہستہ آہستہ وہ اس حد تک پہنچ گئے کہ بہت بڑا فرق ہو گیا۔

دہلی میں ایک طبّی جلسہ پر وائسرائے نے کہہ دیا تھا کہ دیسی طب اور ڈاکٹری دراصل ایک ہی ہے۔ لیکن یہ سنکر ڈاکٹروں نے اس پر بڑا شور مچایا کہ ہماری ہتک کی گئی ہے کیونکہ یہ غلط ہے کہ دیسی طب اور ڈاکٹری ایک ہی ہے۔ اگرچہ ان کا شور مچانا ایسا ہی تھا جیسے کوئی محسن کش جب کوئی عہدہ پالیتا ہے تو ماں باپ سے ملنا بھی عار سمجھتا ہے۔ ایک مجسٹریٹ کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ بہت غریب خاندان سے تھا۔ اس کا باپ اس سے ملنے کے لئے آیا تو بے دھڑک اس کے پاس کرسی پر جا بیٹھا۔ اہلکاروں نے پوچھا۔ یہ کون ہے تو اس نے کہا یہ ہمارا خدمت گار ہے۔ تو بعض کم عقل جب ترقی کر جاتے ہیں تو اپنے اصل منبع اور مخرج کی طرف منسوب ہونا بھی ہتک سمجھتے ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹری والے بھی چونکہ بہت ترقی کر گئے ہیں اور طب والے بہت گر گئے ہیں۔ اس لئے وہ ان کی طرف منسوب ہونا ہتک سمجھتے ہیں۔ چونکہ طب والوں نے اس علم کو پھیلایا نہیں اس لئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کم ہو گیا۔ اور ڈاکٹری والوں نے چونکہ اسے خوب پھیلایا۔ اس لئے وہ بہت ترقی کر گیا۔

صحابہ کرام کے پاس کوئی چیز ایسی نہ تھی کہ جو انہوں نے چھپا رکھی ہو۔ سوائے

ان خاص باتوں کے کہ جو ابتلاء کا موجب بن سکتی تھیں یا ایسی خاص کیفیات جن کا بیان کرنا ہی ناممکن تھا۔صحابہ کو تو عمدہ اور مفید باتوں کی اشاعت کرنے کا یہاں تک شوق تھا کہ ایک صحابی جس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بات بتائی تھی اور فرمایا تھا کہ یہ خاص تیرے ہی لئے ہے۔اسے کسی کو نہ بتائیو۔جب فوت ہونے لگا تو اس نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک بات بتائی تھی اور فرمایا تھا کہ یہ کسی کو نہ بتانا۔اس لئے مَیں اس کے بتانے سے ڈرتا ہوں لیکن قرآن کریم اور رسول کریمؐ کا یہ حکم ہے کہ جو اچھی بات تمہیں معلوم ہو وہ دوسروں کو بتاؤ۔اب مَیں کروں تو کیا کروں۔آخر کار اس نے یہی فیصلہ کیا کہ مَیں یہی پسند کرتا ہوں کہ بجائے اس کے کہ خاموش رہوں بتا ہی دوں۔اور نہ بتانے کے گناہ کے مقابلہ میں بتانے والا گناہ اٹھالوں [1]۔تو صحابہ اس قدر جوش رکھتے کہ دوسروں کو ہر ایک ایسی بات سے جسے وہ اپنے لئے مفید سمجھتے تھے بتا دیتے تھے۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں ہر قسم کے علوم وفنون بڑھے۔لیکن مسلمانوں پر ایک ایسا زمانہ آیا۔جبکہ وہ ہر ایک اچھی بات کو چھپا چھپا کر رکھتے تھے۔طبیب اپنے نسخوں کو۔مولوی اپنے وردوں کو۔صوفیاء اپنے رنگوں کو دوسروں پر ظاہر نہیں کرتے تھے۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ ان میں علم رہا۔نہ نیکی رہی۔نہ تقویٰ رہا۔نہ برتری رہی۔جنس کو دیکھ کر جنس ترقی کیا کرتی ہے۔لیکن جب انہوں نے دین کی باتیں بھی چھپانی شروع کیں تو نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دنیاوی علوم سے بھی جاہل ہو گئے۔اور ان کی اولاد بھی جاہل ہوگئی۔اگر وہ ایک دوسرے کو بتاتے اور ان باتوں کو پھیلاتے تو آج ان کی یہ حالت ہرگز نہ ہوتی۔

تعجّب کی بات ہے کہ ہماری جماعت میں سے بھی بعض لوگ ایسے نکل آئے ہیں کہ جو نیکی کی باتوں کو پھیلانا نہیں چاہتے۔مَیں نے پچھلے دنوں دعا کے متعلق خطبے پڑھے تھے۔ان کے متعلق کسی شخص کا میرے نام خط آیا۔اس کا نام تو پڑھا نہیں گیا۔لیکن چونکہ اس نے میری طرف خط لکھا ہے۔اس لئے خیال گزرتا ہے کہ وہ احمدی ہی ہوگا۔وہ لکھتا ہے کہ ’’آپ نے قبولیّتِ دعا کے

---

[1] بخاری کتاب العلم باب مَنْ خَصَّ بالعلم قَوْمًا دُوْنَ قَوْمٍ۔

متعلق طریق بتا کر پوشیدہ اور سربستہ راز کھول دیئے ہیں یہ تو بڑی محنتوں اور مشقتوں کے بعد کسی کو نصیب ہؤا کرتے تھے۔کوئی بہت ہی دعائیں کرنے والا اور خدا کے حضور گریہ وزاری کرنے والا ہوتا تو اسے ان طریق سے کوئی ایک القا کیا جاتا۔لیکن آپ نے تو یونہی سب بتا دیئے ہیں اور اب ہر ایک ان سے آگاہ ہوجائے گا۔'' اس بات پر وہ بڑی حیرانی ظاہر کرتا ہے اور آخر لکھتا ہے کہ ''اصل بات یہ ہے کہ آپ بھی مجبور تھے۔آپ ایک جماعت کے امام جو ہوئے اس لئے اپنی جماعت کی محبت کے جوش میں آکر آپ سے یہ حرکت ہوگئی ہے۔''

دیکھئے! ادھر اس کو تو یہ صدمہ ہؤا ہے کہ مَیں نے یہ طریق ظاہر کیوں کر دیئے ہیں۔لیکن ادھر مجھے خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کا ایک اور نمونہ دکھایا ہے۔جب مَیں خطبہ پڑھ کر مسجد سے گھر گیا۔تو دل میں آیا کہ سوائے دو تین طریقوں کے جو وقت کی تنگی کی وجہ سے بیان نہیں ہو سکے۔باقی سب مَیں نے بیان کر دیئے ہیں اور یہ جو مجھے یاد ہیں ان کے علاوہ اور کوئی طریق نہیں ہے لیکن اسی وقت جبکہ جمعہ کا دن اور رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔مَیں نے دعا شروع کی۔تو خدا تعالیٰ نے کئی نئے طریق مجھے اور بتا دیئے۔مَیں نے سمجھا تھا کہ وہی طریق کو چھوڑ کر جن کو انسان بیان ہی نہیں کر سکتا جس قدر بھی کسبی طریق ہیں۔اور جنہیں ہر ایک انسان استعمال کر سکتا ہے وہ سب مَیں نے اخذ کر لئے ہیں لیکن جاتے ہی خدا تعالیٰ نے چار پانچ طریق اور بتا دیئے۔گویا جب مَیں نے جگہ خالی کی۔تو اور آ گئے۔علم کا خلا اس کا پھیلانا ہی ہوتا ہے یہ نہیں کہ وہ نکل جائے دوسری چیزیں اس وقت خلا پیدا کرتی ہیں جبکہ وہ خود نکل جائیں۔لیکن علم باوجود موجود رہنے کے خرچ کرنے سے خلا پیدا کر دیتا ہے۔پس مجھے تو بجائے کسی قسم کا نقصان یا کمی ہونے کے فائدہ ہی ہؤا کہ خدا تعالیٰ نے اور طریق سکھا دیئے۔(اِن طریقوں میں سے بھی دو طریق جو حضور نے درس القرآن میں فرمائے بڑھا دیئے گئے ہیں) لیکن اس کو خواہ مخواہ افسوس کرنا پڑا۔

یہ ایک غلطی ہے جو بڑی خطرناک ہے۔چھپانے والی چیز تو وہ ہؤا کرتی ہے جو بُری اور خراب ہو۔اچھی چیز تو ظاہر کرنے کے لئے ہؤا کرتی ہے۔پھر وہ چیز جس میں کبھی کمی نہیں آسکتی۔بلکہ بڑھتی ہے پھر اس کے چھپانے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے اسلام کی تعلیم تو ایسی ہی ہے کہ جو کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔خدا تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کو فرماتا ہے۔ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ۔ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ ۔ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ۔ کہ ہم نے تمہیں جو علم دیئے ہیں وہ ایک ایسی نہر ہے کہ جو کبھی ختم نہیں ہوسکتی اور جس کی تہہ نہیں ہے۔ ایسی نہر پر جو لوگ کھڑے ہوں ان سے اگر کوئی ایک گلاس مانگے۔ اور وہ کہیں نہیں دیتے تو ان سے بڑھ کر بخیل اور کنجوس اور کون ہوسکتا ہے۔ جس طرح ہوا سے کوئی بخل نہیں کرتا اسی طرح اسلام کی تعلیم سے دوسروں کو واقف کرنے سے اس وقت تک کوئی بخل نہیں کرتا جب تک کہ جاہل مطلق اور نادان نہ ہو۔ اگر کوئی ایسی نادانی کرتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے علم میں کمی آنا شروع ہوجاتی ہے اور آخر کار بالکل بیکار ہوجاتا ہے۔ مجھے تو اگر خدا تعالیٰ کوئی نکتہ سمجھاتا ہے یا کوئی علم دیتا ہے تو مَیں تو یہی چاہتا ہوں کہ جس طرح ہوسکے دوسروں تک پہنچادوں اس سے ایک تو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ وہ فائدہ جو مجھے حاصل ہورہا ہوتا ہے وہی دوسروں کو ہونے لگتا ہے۔ پھر اس پر ترقی کرکے وہ جو باتیں پیدا کریں گے وہ مجھے مل جائینگی اور مَیں ان سے فائدہ اٹھالوں گا۔ لیکن وہ لوگ جو کسی بات کو اپنے تک ہی محدود رکھنا چاہتے ہیں ایک خطرناک مرض میں مبتلا ہیں آپ لوگوں کو چاہیئے کہ جہاں تک ہوسکے اس مرض کے دور کرنے کی کوشش کریں اور جو اچھی اور عمدہ بات خواہ دین کے متعلق ہو یا دنیا کے انہیں بتانے سے دریغ نہ کیا جاوے یہ ترقی کا بہت بڑا راز ہے۔ اگر کوئی اس کو سمجھ لے تو اس کا علم روزانہ ترقی کرتا رہے گا۔ پس ہماری جماعت کے لوگوں کو خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ جس چشمہ سے ان کے علوم نکلتے ہیں وہ کوثر ہے اور ہمارے تمام علوم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشہ چینی اور آپ کے طفیل ہیں۔ اور اس چشمہ کا نام خدا تعالیٰ نے کوثر رکھا ہوا ہے کہ جس میں کبھی کمی نہیں آسکتی۔ بلکہ جس قدر بھی ضرورت ہو اس سے بڑھ کر اس میں سے نکلتا رہتا ہے۔ کوثر اس چشمہ کا بھی نام ہے جو جنّت میں ہوگا۔ اس میں بھی کمی نہیں آتی۔ مگر اسلام کی تعلیم جہاں سے نکلتی ہے اس کا نام بھی کوثر ہے۔ پس جس چشمہ سے ہم پانی لیتے ہیں اس کا نام خدا تعالیٰ نے کوثر رکھا ہوا ہے۔ پھر کیسی نادانی ہوگی۔ اگر کوئی یہ خیال کرے کہ اس میں سے خرچ کرنے سے کمی آجائیگی اور پھر یہ کیسی نادانی ہوگی کہ کوئی مانگے اور ہم نہ دیں۔ پھر یہ بھی کیسی نادانی ہوگی کہ جو مانگنا نہیں جانتے ان کو ہم خود نہ

پہنچائیں۔ وہ قوم جس کو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی معرفت کوثر ملا ہے اس کا یہ کام ہونا چاہیئے کہ اگر اس سے کوئی نادانی اور جہالت کی وجہ سے نہیں مانگتا تو بھی وہ اسے خود بخود دے اور سیراب کرے۔ جس کو خدا تعالیٰ نے علم دیا ہے وہ علم کو پھیلائیں اور جن کو کوئی اور بات معلوم ہے وہ اسے شائع کریں اور ذرا بھی بخل نہ کریں۔

اس زمانہ میں ہماری جماعت کو خدا تعالیٰ نے اس کوثر کا داروغہ مقرر کیا ہے تیرہ سو سال میں متفرق جماعتوں کے ہاتھ میں وہ رہا۔ مگر اب خدا تعالیٰ نے ان سب سے چھین کر ہمیں دے دیا ہے۔ اس لئے ہماری جماعت کا فرض ہے کہ وہ لوگ جو اس آبِ حیات کے بغیر مر رہے ہیں۔ ان تک پیالے بھر بھر کر پہنچائے۔ اور انہیں پکڑ پکڑ کر پلائے۔ اور یاد رکھے کہ اس چشمہ میں کبھی کمی نہیں آ سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت تمہیں اس لئے دی ہے کہ تم خود بھی اس سے فائدہ اٹھاؤ اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاؤ۔ دیکھو بعض امیر مال تقسیم کرنے کے لئے داروغے مقرر کرتے ہیں۔ لیکن اگر وہ داروغے مستحق لوگوں کو مال دینے سے دریغ کریں تو انہیں ہٹا دیتے ہیں۔ اور ان سے وہ کام چھین کر اَور کو دے دیتے ہیں۔ اسی طرح دین کے متعلق ہے۔ وہ جو اسے تقسیم نہیں کرتے اور بے دینوں میں نہیں پھیلاتے ان سے چھین لیا جاتا ہے۔ پس تم میں سے ہر ایک وہ جس کو قرآن یا حدیث یا جو کچھ بھی آتا ہے وہ دوسروں کو پڑھائے اور یہ خیال نہ کرے کہ اس کے علم میں کمی آ جائے گی۔ اس کے منہ سے نکل کر کوئی بات دوسرے کے کان تک نہیں پہنچے گی کہ اُسے ایک اَور بات حاصل ہو جائے گی۔ مَیں نے اس بات کا خوب تجربہ کر کے دیکھا ہے اور جس طرح رویئت کے متعلق شہادت دی جا سکتی ہے اسی طرح مَیں اس کے متعلق دیتا ہوں کہ کوئی بات اپنی جگہ سے نہیں ہلتی کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس سے زیادہ نہیں مل جاتی ہے۔ اور بیسیوں گنے زیادہ ملتی ہے گویا لوگوں کو بتانا ایک ڈاٹ ہوتا ہے کہ اس کو جب کھول دیا جاتا ہے تو اس زور سے دھار نکلنا شروع ہو جاتی ہے کہ بعض اوقات انسان اُٹھا بھی نہیں سکتا۔ پس تم لوگ کسی بات کے پہنچانے میں کبھی بخل مت کرو۔ جہانتک ہو سکے دوسروں کو پہنچاؤ۔ اور جو علم بھی خدا تعالیٰ نے تمھیں دیا ہے اُسے ان تک پہنچانے میں لگے رہو۔ جن کے پاس اس سے تھوڑا ہے یا جن کے پاس بالکل ہی نہیں۔ وہ تم سے دور بھاگیں گے۔ لیکن تم انہیں پکڑ پکڑ کر دو۔ وہ

تم سے نفرت کریں گے۔ لیکن تم ان کو محبت سے دو۔ وہ تمہاری باتیں نہیں سُنیں گے۔ مگر تم ان کو پیار سے سُناؤ۔

یہاں بعض لوگ علم دین حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں۔ اُن کو مشکل پیش آتی ہے۔ حالانکہ ہمارا تو یہ فرض ہے کہ لوگوں کے گھروں میں جا کر پہنچائیں۔ لیکن یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ لوگ ہمارے گھر چل کر آ جاتے ہیں۔ پھر اگر ہم ان کو کچھ نہ سکھائیں تو کیسی نادانی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو نہیں سکھاتا۔ خواہ اس کی کوئی وجہ ہو تو وہ یاد رکھے کہ اس کا علم بڑھ نہیں رہا۔ بلکہ کم ہو رہا ہے اور ایک دن اس پر ایسا آئیگا کہ وہ ایک بیکار اور فضول جسم رہ جائے گا۔

خدا تعالیٰ ہماری جماعت کے ہر ایک فرد کو اس بات کی توفیق دے کہ جو علم خدا تعالیٰ کی طرف سے اُسے دیا گیا ہے۔ وہ لوگوں تک پہنچائے۔ اور اپنے اوقات سے بچا کر کچھ وقت دین کے کاموں میں صرف کریں۔ اور اس دین کو پھیلانے اور دنیا کے کونے تک پہنچانے میں لگ جائیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ ان کو ملا ہے۔ آمین

(الفضل ۲۳ ستمبر ۱۹۱۶ء)